# قرآن کا اصل موضوع انسانوں کو راہ ہدایت دکھانا ہے

## غیر اسلامی ماحول میں انسان انفرادی سطح پر بھی عمل صالح کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا

## دینی جماعتیں پاکستان میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے متحد ہو جائیں

### اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی جدوجہد نہ کرنا باطل نظام سے مفاہمت کے مترادف ہے

**مسجد دارالسلام باغِ جناح' لاہور میں نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے ۷/ مئی ۹۹ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص**

(مرتب : فرقان دانش خان)

...رن کے فرا...
...سے رفیقات کو آ...

تعوذ و تسمیہ' ...آن رفیقات کا... ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا : ہر انسان کا بنیادی مسئلہ ذاتی کامیابی و کامرانی کا حصول ہے۔ کوئی طالب علم ہو یا کوئی پروفیشنل ہو' اس کی ساری سوچ کا محور یہ ہوتا ہے کہ کس طرح خسارے سے بچے اور کامیابی تک پہنچ جائے۔ قرآن نے بھی نقصان اور خسارے سے بچنے اور مستقبل کی کامیابی کو ہر شخص کا بنیادی معاملہ قرار دیا' روز قیامت ہر انسان انفرادی طور پر مسئول ہو گا۔ قرآن کا اصل موضوع یہی ہے کہ انسان کو وہ راستہ دکھایا جائے جو اسے دنیا و آخرت میں حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار کر دے۔

نماز میں سورۂ فاتحہ میں بھی ہم یہی دعا مانگتے ہیں۔ "اے اللہ ہمیں صراط مستقیم پر چلا"۔ قرآن دراصل اسی دعا کا جواب ہے۔ آج دنیا میں جو بے چینی اور پریشانی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے تئیں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہماری سوچ صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے۔ جبکہ کامیابی صرف اور صرف اس راستے میں ہے جو قرآن نے دکھادیا ہے۔ اس ہدایت و رہنمائی کا مکمل خلاصہ سورۃ العصر میں بیان ہوا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے قرآن میں اس سورۃ کے سوا کچھ اور نازل نہ ہوتا تو یہی لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی۔ اسی سورۃ سے متعلق آپؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر لوگ صرف اس ایک سورۃ پر غور کر لیں تو یہی ایک سورۃ ان کی ہدایت کے لئے کافی ہو گی۔

اس سورۃ میں اللہ نے کامیابی اور ناکامی کا معیار بتایا ہے۔ آج ہمارے معیارات کچھ اور ہیں۔ کوئی دولت کو اور کوئی منصب کو کامیابی سمجھتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ہر وہ شخص ناکام ہے' نامراد ہے' خسارے میں ہے جو سورۃ العصر میں بیان کی گئی چار شرائط یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو پورا نہیں کر رہا خواہ دنیا کی چمک دمک کے اعتبار سے وہ کتنا کامیاب نظر آتا ہو۔ اس کے برعکس ایک شخص جسے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں لیکن اگر وہ یہ چار شرائط پوری کرتا ہو تو اسے حقیقی کامیابی حاصل ہو گی کیونکہ قرآن کی نظر میں اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ قرآن کے نزدیک کامیاب وہ ہے جو جہنم کی آگ سے بچالیا گیا اور جسے جنت میں داخلے کا پروانہ مل گیا کیونکہ کسی شخص کو بہت دولت مل بھی گئی وہ ایک خاص حد سے زیادہ اس دولت سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔

حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ میرا مال' میرا مال' لیکن اس کا مال تو بس اسی قدر ہے جو اس نے کھالیا یا اپنی ضروریات پر خرچ کر لیا باقی تو وارثوں کا ہے۔

سورۃ العصر میں کامیابی کی کم سے کم شرائط بیان ہوئی ہیں۔ ان سے کم شرائط پر قرآن کامیابی کی گارنٹی نہیں دیتا۔

### مضامین سورۃ العصر

سورۃ العصر کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے۔ ہم جب قسم کھاتے ہیں تو کسی ایسی بڑی ہستی کو گواہ بنا کر لاتے ہیں جو صاحب عظمت اور معتبر ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ سب سے بڑھ کر عظیم اور قابل احترام ہے لہٰذا جب اللہ کسی چیز یا ہستی کی قسم کھاتا ہے تو اس سے محض گواہی مقصود ہوتی ہے کہ فلاں چیز فلاں حقیقت پر گواہ ہے' اس میں عظمت کا پہلو تلاش کرنا محض وقت کا ضیاع ہو گا۔ عصر کا وقت تیزی سے گزر جاتا ہے۔ دراصل یہاں انسان کو عرصۂ امتحان اور وقت کی تنگی کا احساس دلانے کے لئے تیزی سے گزرتے ہوئے وقت کی قسم کھائی گئی ہے ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

دنیا کے امتحانوں کا تو وقت مقرر ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے اس امتحان کا وقت بھی مقرر نہیں کہ کس وقت موت آ جائے اور مہلت عمر ختم ہو جائے۔ چنانچہ انسان کے پاس سب سے قیمتی متاع یہی وقت ہے جس میں انسان کا کچھ بن رہا ہے یا بگڑ رہا ہے۔ یہ گزرتا وقت گواہ ہے کہ تمام انسانیت خسارے میں ہے۔ اس وقت میں ایک لحاظ سے ماضی' حال اور مستقبل تینوں زمانے شامل ہیں۔ یہ وقت گواہ ہے کہ انسان ہلاکت' تباہی سے دوچار ہوتا رہا ہے اور رہو گا۔ اس خسارے کے بہت سے پہلو ہیں۔ مثلاً دنیا میں انسان کو شدید مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ﴾ اس مشقت پر مستزاد دنیا میں بہت سی مشکلات ہیں' ڈپریشن ہے۔ عزیزوں کی موت کی صورت میں جدائی کا صدمہ ہے۔ بعض اوقات اولاد کی نافرمانی کا شدید دکھ اور کرب انسان کو جھیلنا پڑتا ہے' معاش کے مسائل ہیں' کوئی شخص ان سے بچا ہوا نہیں ہے۔ لیکن اصل خسارہ آخرت کا خسارہ ہے۔ سورۃ الانشقاق میں اس کا نقشہ کھینچا ہے "اے انسان تجھے دکھ پر دکھ جھیلتے ہوئے بالآخر اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے"۔

وہاں جب آنکھ کھلے گی تب انسان کو معلوم ہو گا کہ اصل خسارہ یہ ہے جس سے اب سابقہ ہے۔ وہاں ابدی' دائمی اور شدید عذاب انسان کا مقدر ہو گا۔ اس خسارے سے بچنے کا راستہ بھی اس سورۃ میں بتادی گئی ہے کہ جو اس راستے پر گامزن ہو گا وہی انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس راستے یا صراط مستقیم کے چار mile stones ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ایمان ہے۔ اس کے بارے میں ہم سب کو یہ گمان ہے کہ کم از کم یہ ہمیں حاصل ہے۔ لیکن اکثریت کا ایمان زبان کے اقرار تک محدود ہے۔ آخرت

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

## حکمران اپنی بدعنوانیوں پر بی بی سی کی دستاویزی فلم کا جواب دینے کی بجائے صحافیوں کی پکڑ دھکڑ میں مصروف ہیں

## نواز شریف کو چوڑیاں پیش کرنے والی بے نظیر کی طرف سے ایٹمی دھماکہ کرنے پر مخالفت کس اصول پسندی کا مظہر تھی؟

## کمزور حکومتیں ریاستی طاقت کے ذریعے ایسی کارروائیاں کرتی ہیں جس سے عوام انہیں مضبوط سمجھنے لگیں

مرزا ایوب بیگ، امیر تنظیم اسلامی حلقہ لاہور

تجزیہ

پاکستان کی تاریخ کا بغور جائزہ لیں تو یہ تلخ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہماری حکومت سیاسی ہو یا فوجی جب حالات و معاملات پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے، جب کمزوری کے آثار واضح و نمایاں ہونے لگتے ہیں اور عوامی مقبولیت کا گراف تیزی سے نیچے کی طرف ڈھلکنے لگتا ہے تو حکومت کے اعصاب اور حواس دونوں بری طرح متاثر ہو جاتے ہیں۔ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے اور اپنی اس کمزوری کو چھپانے اور خود کو انتہائی مضبوط ظاہر کرنے کے لئے نادر شاہی احکامات جاری کرنے شروع کر دیتی ہے۔ ایسے آرڈیننس کی قطار لگ جاتی ہے جن کا اصل مقصد اور مدعا اپوزیشن کے ہاتھ پاؤں باندھنا ہو۔ پھر وال چاکنگ اور ہینڈ بلز کی تقسیم بھی دہشت گردی قرار پاتا ہے۔ صحافی اگر لفافے کی ریخ سے باہر ہو تو وہ ملک دشمن اور نظریہ کا غدار قرار پاتا ہے اور مال روڈ پر اس سے منشیات برآمد ہو جاتی ہیں۔ آج کل موجودہ حکومت بھی کچھ اسی طرح کی صورتحال سے دوچار ہے۔ اس کا سب سے پہلا اظہار واجپائی کی پاکستان آمد پر ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب امریکہ نے پاک بھارت دوستی کو جنوب مشرقی ایشیا میں اپنی پالیسی کا کارنر سٹون قرار دیا تو وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف کے اس طرح کے بیانات سامنے آنے شروع ہو گئے کہ مسلم لیگ کو تو عوام نے مینڈیٹ ہی پاک، بھارت دوستی کے لئے دیا ہے۔ لہٰذا دیکھتے ہی دیکھتے تجارت بھی شروع ہو گئی، بس سروس کا اجراء بھی ہو گیا اور بی جے پی کے بابری مسجد فیم لیڈر ایل کے ایڈوانی اینڈ کمپنی جن کی زبان "پاکستان" کہنے سے بھرشٹ ہو جاتی تھی، خیر سگالی کے پیغام بجھوانے لگے اور شری واجپائی نظریہ پاکستان کے صدقے واری جاتے ہوئے پاکستان آ پہنچے۔ اس دورہ سے نواز حکومت کی مقبولیت کو پہلا دھچکا لگا۔ نوائے وقت جو نواز شریف کا بہت بڑا مداح ہے نے صحافتی مورچے سے گولہ باری شروع کی اور جماعت اسلامی نے میدان میں کود کر حکومت کا سارا کھیل بگاڑ دیا۔ بھارت سے دوستی کے معاملے میں نواز حکومت نہیں بلکہ شریف فیملی بالکل الگ تھلگ نظر آئی اس لیے کہ بعض قریب ترین ساتھیوں نے اس معاملے میں اپنے تحفظات کا اظہار کر دیا تھا۔ لہٰذا حکمرانوں نے اپنی کمزوری اور بے بسی کو چھپانے کے لئے جماعت اسلامی کے لاہور دفتر پر حملہ کر دیا۔ دفتر کو مکمل طور پر فتح کیا اور تیرہ سو کارکنوں کو قیدی بنا کر ساتھ لے گئے اور انہیں دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں میں پیش کیا گیا۔ گذشتہ سال جب بی بی سی نے "پرنس اینڈ دی پلے بوائے" نامی فلم بنائی جس میں بے نظیر اور زرداری کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا گیا تھا تو مسلم لیگ نے اس فلم کا ملک بھر میں خوب چرچا کیا۔ بی بی سی کو اس کی شاندار کارکردگی پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اسی بی بی سی پر اب الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ پاکستان اور عوام کے خلاف سازش کر رہی ہے۔ وہ صحافتی بددیانتی کا مظاہرہ کر رہی ہے اور اس کے نمائندوں نے پاکستان کا ویزہ بھی دھوکے سے حاصل کیا ہے۔ یہ الزامات اس لئے لگائے جا رہے ہیں کہ بی بی سی نے حکمران خاندان کی مالی بدعنوانیوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ لہٰذا جن صحافیوں نے بی بی سی کو اس حوالے سے انٹرویو دیئے ہیں، ان کے گھروں پر شب خون مارے جا رہے ہیں اور انہیں اس انداز سے گرفتار کیا جا رہا ہے جیسے کوئی بہت نامی گرامی ڈاکو یا دہشت گرد کو قابو کرنا ہو۔ لطف یہ ہے کہ عدالتوں میں حکومت یہ موقف اختیار کر رہی ہے کہ اسے ایسی کارروائیوں کا کوئی علم ہی نہیں۔ آج ہی کے اخبارات میں ایک جگہ حکومت نے نجم سیٹھی کے بارے میں عدالت میں موقف اختیار کیا ہے کہ وہ اس کی گرفتاری سے لاعلم ہے اور ایک دوسری خبر میں اس کی گرفتاری کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس نے غیر ملک میں پاکستان کی نظریاتی اساس پر حملہ کیا ہے۔ نجم سیٹھی نے بھارت میں جو کچھ کہا ہے اگرچہ وہ ایسا غلط نہیں اور وہ تلخ حقائق ہیں جن کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اگرچہ ہم بھی دشمن ملک میں ایسے انداز میں گفتگو کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں لیکن ہر پاکستانی حکمرانوں سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ ولی خاں اور اجمل خٹک پاکستان کی نظریاتی اساس کے بارے میں ملک میں اور دیار غیر میں بھی جو زہر فشانی کرتے رہیں ہیں اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ حکمران ابھی تک ان کی جدائی کا غم نہیں بھولتے اور دوستی کا ناطہ دوبارہ جوڑنے کے لئے ہر دم کوشاں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بجلی چوروں کی جو فہرست اسمبلی میں پیش کی گئی ہے اس میں آخری وقت حکم خاص سے بیگم نسیم ولی خان کا نام نکلوا دیا گیا۔

حکومت اپنی بدعنوانیوں پر بنائی جانے والی فلم کا دلائل اور ثبوت سے جواب دینے کی بجائے صحافیوں کی پکڑ دھکڑ میں مصروف ہے۔ حسین حقانی بھی اس جرم میں گھر سے نصف شب کے وقت اٹھا لئے گئے ہیں۔ ایسی خبریں مل رہی ہیں کہ دوسرے بہت سے سینئر صحافیوں کو دھمکایا جا رہا ہے۔ روح مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے کہ جب کوئی حکومت کمزور ہوتی ہے یا اس کی کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو وہ ایسی کارروائیاں کرنے لگتی ہے کہ لوگ اسے مضبوط سمجھیں اور اس سے خوفزدہ رہیں۔ درحقیقت موجودہ حکومت اقتصادی ترقی اور عوامی خوشحالی کا نعرہ لگا کر برسر اقتدار آئی تھی لیکن ہمارا اقتصادی پہیہ بری طرح جام ہے۔

سرمایہ کاری بے شمار دعوؤں کے باوجود ناپید ہے۔ مہنگائی اور بے روزگاری کے ہاتھوں لوگ ریکارڈ تعداد میں

خود کشیاں کر رہے ہیں۔ عوام خالی خولی نعروں سے مکمل طور پر بیزار ہو چکے ہیں اور حکومت عوام کے مسائل حل کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ اپنی ان ہی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے حکومت آج کل گھن گرج سے برس رہی ہے۔ کبھی جماعت اسلامی کے ساٹھ ستر سالہ سفید ریش والے "جوان" کو زمین پر لٹا کر پولیس اپنے جوانوں کے زور بازو کا امتحان لیتی ہے اور کبھی آدھی رات کو صحافیوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتی ہے۔ امن و امان کے قیام کے معاملے میں بھی صورت حال کسی طرح بھی قابل رشک نہیں۔ ڈاکے، قتل و غارت اور دہشت گردی کے واقعات میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی۔ موجودہ حکومت تاجروں اور مذہبی سوچ رکھنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ مقبول تھی لیکن یہ دونوں طبقات بھی مایوسی کا اظہار کرنے میں اب کسی بخل سے کام نہیں لے رہے۔ تاجروں کا سیلز ٹیکس کے حوالے سے حکومت سے مسلسل اختلاف چل رہا ہے اور مذہبی عناصر شریعت کے نفاذ کے حوالے سے حکومتی کارروائیوں کو ڈھکوسلہ قرار دیتے رہے ہیں۔

سندھ ہائی کورٹ کے شائق عثمانی نے جن کے نام کے ساتھ جسٹس کا لاحقہ لگانے پر طبیعت کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی، ایک فیصلے میں ریمارکس دیئے ہیں اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہ ریمارکس غیر متعلقہ ہیں کہ اسلام میں لڑکی کا لڑکے کے مقابلے میں نصف حصہ ہونا اصول مساوات کے خلاف ہے اور علماء کو اس معاملے میں اجتہاد کرنا چاہئے۔ یہ جاہل مطلق شخص یہ بھی نہیں مانتا کہ نص قطعی کے معاملے میں کسی اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یا جان بوجھ کر اسلام کے نظام وراثت کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بہرحال اصل بات یہ ہے کہ نہ تو مذہبی خاندان سے تعلق رکھنے کی شہرت والے وزیر اعظم کی دینی حمیت نے جوش مارا ہے اور نہ ہی باریش مبینہ درویش منش صدر نے از خود نوٹس لے کر اس نام نہاد جسٹس کا ریفرنس سپریم جوڈیشل کونسل میں بھجوایا ہے۔ حکومت کی اس بے حسی کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ خود کو اس پوزیشن میں نہیں سمجھتی کہ اگر کوئی ایشو ملک میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور عوام سے اپنے تعلق پر اعتماد کرتے ہوئے حق بات پر ڈٹ جائے۔

پاکستان کی حکومت کے عمومی طرز عمل کا ذکر ہوا ہے تو پاکستان میں اپوزیشن اکثر و بیشتر کس طرح کا طرز عمل اختیار کرتی ہے، اس کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس معاملے میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے طرز عمل کی چند مثالیں اپوزیشن کے ذہنی معیار اور اصول پسندی کا پول کھولنے کے لئے کافی ہیں۔

راجیو گاندھی کے دورہ پاکستان کے دوران کشمیر کا بورڈ راستے سے ہٹا دیا گیا۔ ریڈیو پاکستان سے "کشمیر بنے گا پاکستان" کا نعرہ روک دیا گیا اور کشمیر کے سوال پر راجیو کے سامنے جھینپ کر سر نیچا کر لینے والی محترمہ بے نظیر آج کشمیریوں کے کاز کی چیمپئن بنی ہوئی ہے۔ حکومت جب تک ایٹمی دھماکے نہ کرے تو چوڑیاں پیش کرو اور جب کر دے تو ایٹمی دھماکے کی مخالفت کرو۔ اپنے دور حکومت میں مختلف اشیاء کے سرکاری نرخوں میں پے در پے اضافہ کرو اور دوسرے جب ایسا کریں تو منی بجٹ پیش کرنے پر لعن طعن کرو۔ اپنے دور حکومت میں تنقید کا جس طرح بھی ممکن ہو گلہ گھونٹ دو اور جب اپوزیشن میں مجبوراً بیٹھنا پڑ جائے تو صحافیوں کے حقوق کے چیمپئن بن جاؤ۔ نواز شریف جب اپوزیشن میں تھے تو بھارت سے آلو درآمد کرنے کو بے غیرتی گردانتے تھے مگر اب وہ بھارت سے تجارت کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ بہرحال یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ ہر حکومت کی ایک ہی سوچ کہ وہ تاقیامت کس طرح برسر اقتدار رہ سکتی ہے اور ہر اپوزیشن کی یہ سوچ ہے کہ کسی نہ کسی طرح مخالف حکومت کو آج ہی گرا دیا جائے۔ دو ہاتھیوں کی لڑائی میں عوام گھاس کی طرح مسلے جا رہے ہیں۔

## حلقہ لاہور کا شب بسری پروگرام

رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں کہ حلقہ لاہور میں شامل جملہ تنظیموں کا شب بسری پروگرام 22 مئی 99ء کو بعد نماز عشاء (نماز عشاء 8:45 پر) قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں منعقد ہو گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

**نوٹ**: تنظیم اسلامی کے مرکزی دفتر گڑھی شاہو میں شب بسری پروگرام نہیں ہو گا۔ لہٰذا رفقاء قرآن اکیڈمی ہی میں شب بسری پروگرام میں شرکت کریں۔


KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

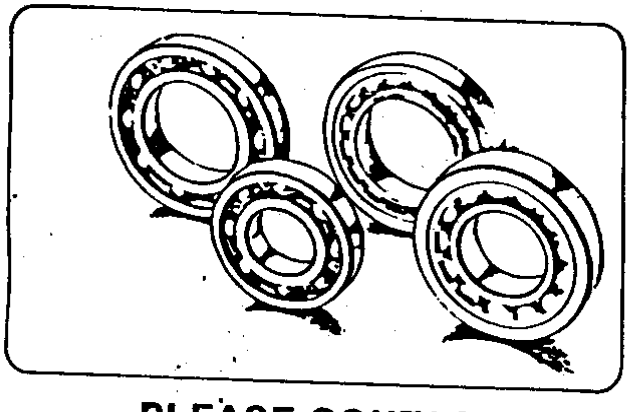

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24624 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

## قرارداد مقاصد کے ذریعے اسلام اور جمہوریت کے تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کر دیا گیا تھا

## پاکستان کو جمہوری و فلاحی مملکت نہ بنایا گیا تو نئی نسل کے لئے قیام پاکستان کے جواز کو سمجھنا مشکل تر ہو جائے گا!

### ہر اعتبار سے مضبوط اور کھرے کردار کے حامل قائداعظم کے بارے میں گندم نمائی اور جو فروشی کا گمان نہیں کیا جا سکتا

### پاکستان کا باپ اگر اسلام ہے تو اس کی ماں جمہوریت ہے

# ارشاد احمد حقانی کے نام امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا مکتوب

## جو "اسلام، جمہوریت اور پاکستان" کے عنوان سے جنگ میں شائع ہو چکا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی برادرم ارشاد احمد حقانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"اسلام، جمہوریت اور پاکستان" کے عنوان سے آپ کی جو تحریر روزنامہ جنگ میں ۱۹ تا ۲۳/ مارچ ۹۹ء چار اقساط میں شائع ہوئی تھی اس کی تین قسطوں تک تو میرا یہ ارادہ پختہ ہوتا چلا گیا تھا کہ اس موضوع پر میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں گا لیکن جب چوتھی قسط شائع ہوئی اور اس کے آخر میں آپ نے قارئین کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی تو چونکہ اس کے ضمن میں آپ نے نہایت کڑی شرائط عائد کر دی تھیں لہٰذا قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں اس "گزارش" کی حد تک تو معاملہ غنیمت تھا کہ "ان مسائل پر سطحی اور غیر علمی تحریریں سپرد قلم کرنے کا کوئی فائدہ نہیں!" لیکن جب بات یہاں تک پہنچی کہ صرف "ایسے اصحاب قلم اٹھائیں جو زیر نظر موضوعات پر عبور رکھتے ہوں" تو چونکہ اب قلم اٹھانے کے معنی ان موضوعات پر "عبور" رکھنے کے دعویدار ہونے کے ہو گئے، لہٰذا ہمت بالکل جواب دے گئی —— اس کے بعد آپ کی تحریر پر جو تبصرے شائع ہوتے رہے ان سب کو تو میں التزاماً نہیں پڑھ سکا البتہ کل (اتوار ۲۶/ اپریل) کی اشاعت میں جناب ایس ایم ظفر کا نام دیکھ کر نہ رہا گیا۔ چنانچہ میں نے نہ صرف یہ کہ ان کی تحریر کو غور سے پڑھا بلکہ ریکارڈ سے نکلوا کر آپ کی چاروں قسطیں بھی از سر نو نظر سے گزار لیں —— اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وضاحت کے ساتھ کہ میں ہرگز کسی بھی معاملے میں "عبور" کا مدعی نہیں ہوں، کچھ گزارشات پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

مجھے ایس ایم ظفر صاحب کے برعکس آپ کی ان دو آراء سے مکمل اتفاق ہے کہ:

(۱) "اگر ہم پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک جدید اسلامی، روشن خیال، معاصر تقاضوں سے ہم آہنگ، جمہوری فلاحی مملکت بنانے میں ماضی کی طرح حال اور مستقبل میں بھی ناکام رہتے ہیں تو لوگوں کے لئے قیام پاکستان کا جواز سمجھنا روز بروز مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جائے گا" —— اور

(۲) "ہم جس صورتحال سے دوچار ہیں وہ ایک بہت بڑا مخمصہ (DILEMMA) ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہیں!" —— چنانچہ اسی حقیقت کو میں نے اپنے حالیہ بیانات میں ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ اگر پاکستان نے اپنے نظریاتی تشخص کو مضبوط اور مستحکم بنائے بغیر ہی بھارت کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں تو یہ اس کے لئے "خودکشی" کے مترادف ہوگا۔

محترم ایس ایم ظفر کی "رجائیت" خواہ کتنی ہی قابل داد ہو، اور ان کے "نفس مطمئنہ" کو چاہے جتنا خراج تحسین ادا کر دیا جائے، انہوں نے زیر بحث موضوع کے ضمن میں انڈے کے خول سے نکلنے والے پرندے، اور میزائل کے ذریعے خلا میں پہنچائے جانے والے سیارے کی مثالوں کو جس انداز سے کسی ملک اور قوم اور اس کے ماضی کے باہمی تعلق پر منطبق کیا ہے وہ یا تو "قیاس مع الفارق" کے ذیل میں آئے گا یا "فرار عن الحقیقت" کے!! چنانچہ اس قاعدہ کلیہ پر مستزاد کہ دنیا کی کوئی بھی قوم اور کوئی بھی ملک اپنے ماضی سے یکسر منقطع نہیں ہو سکتا، پاکستان کا معاملہ تو یہ ہے کہ اس جغرافیائی، نسلی اور لسانی ہر اعتبار سے "خالص مصنوعی" ملک کے معاملات کو اس کے وجود میں آنے کے عمل یعنی "GENESIS" کے پس منظر سے جدا کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔

رہا یہ سوال کہ تحریک پاکستان کے اصل عوامل کیا تھے، اور ان میں مذہب کو بھی کوئی مؤثر حیثیت حاصل تھی یا نہیں تو یہ بہت تفصیلی بحث کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اب سے لگ بھگ پندرہ سال قبل بھی میں اپنی ایک تالیف ("استحکام پاکستان") میں اس پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ اور پھر اب سے چار پانچ سال قبل بھی میرے کچھ مضامین سلسلہ وار پاکستان کے ایک اہم قومی روزنامہ میں شائع ہوئے تھے جن میں میں نے ایک مختلف زاویئے سے اس مسئلے پر بحث کی تھی (یاد ش بخیر، میں نے ان مضامین میں سے ایک میں اپنی یہ کڑوی اور پاکستان کے معروضی حالات میں "ناگفتنی" رائے بھی پیش کر دی تھی کہ قائداعظم اصلاً سیکولر

مزاج کے حامل تھے' جس کو نظریہ پاکستان کے اس عظیم ترین علمبردار اخبار نے شائع تو کر دیا تھا' البتہ اس پر ایک اختلافی نوٹ درج کر دیا تھا!) —— تاہم اس وقت میں قیام پاکستان کے ضمن میں اپنی دو آراء کو اجمالاً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) ایک یہ کہ پاکستان کا باپ تو (حضرت سلمان فارسیؓ کے قول کے مصداق) اسلام ہے' لیکن اس کی ماں جمہوریت ہے! اس لئے کہ بالفعل پاکستان کی ولادت ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے بطن سے ہوئی تھی —— لیکن ان انتخابات کے نتیجے میں مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی حیثیت اس نعرے کی بنیاد پر حاصل ہوئی تھی کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!"

(۲) تحریک پاکستان کے اصل عوامل دو تھے —— ایک سلبی یا منفی یعنی ہندو کے غلبے اور اس کے استبدادی' استحصالی اور انتقامی طرز عمل کا "خوف" اور دوسرا مثبت اور ایجابی یعنی احیاءِ اسلام کی آرزو اور غلبہ دین حق کی تمنا! چنانچہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۳۰ء تک ربع صدی کے دوران تو مسلم لیگ کی ساری سوچ بچار اور تگ و دو صرف مقدم الذکر عامل ہی کے محور کے گرد گھومتی رہی تھی جس کا نقطہ عروج تھے قائداعظم کے چودہ نکات —— لیکن ۱۹۳۰ء کے تاریخی خطبہ الٰہ آباد کے ذریعے علامہ اقبال نے مسلم لیگ کی تحریک میں اس مثبت احیائی جذبے کا انجکشن بھی لگا دیا! چنانچہ اس کے بعد سے مسلسل سولہ سترہ سال تک تحریک مسلم لیگ کی رگوں میں یہ دونوں جذبے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝﴾ کی سی شان کے ساتھ بہتے رہے —— اگرچہ ان دونوں کے مابین تاثیر کے اعتبار سے نسبت و تناسب کا معاملہ یہ رہا کہ اصل قوت محرکہ تو منفی ہی تھی یعنی اپنے قومی تشخص اور اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کے تحفظ کا جذبہ —— تاہم پبلک اپیل کے لئے جس جذبے کو زیادہ INVOKE کیا گیا وہ تھا احیاءِ ملت اور غلبۂ اسلام کی آرزو کا مثبت اور مبارک جذبہ! جس کا صور علامہ اقبال نے تو اپنی ربع صدی پر محیط ملی شاعری کے ذریعے زور و شور کے ساتھ پھونکا ہی تھا۔ اس میں ایک اضافی جوش و خروش ایک خاص دور میں یعنی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" اور "البلاغ" کے "حکومت الٰہیہ" کے نعرے سے پیدا ہو گیا تھا جس کی صدائے بازگشت بعد میں دیر تک تحریک خلافت کی صورت میں سنی جاتی رہی! —— بہرحال ان سب کا حاصل یہ کہ مسلم قومیت کا جذبہ ملت اسلامیہ ہند کے رگ و پے میں سرایت کر گیا' اور دو قومی نظریئے کو گویا مسلمانانِ ہند کے ایمان اور عقیدے کی حیثیت حاصل ہو گئی!

اس پس منظر میں آپ کا یہ فرمانا کہ "قیام پاکستان کے وقت ریاست اور مذہب کے تعلق کے حوالے سے ہمارے سامنے نظری طور پر تین راستے تھے" بہت محل نظر تھے۔ اس لئے کہ پاکستان ایک عظیم عوامی تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا اور یہ اس تحریک کی قوت متحرکہ (MOMENTUM) کے زیر اثر ایک خاص سمت میں حرکت پر مجبور تھا۔ اب اسے خواہ مشیت ایزدی سے تعبیر کر لیا جائے خواہ تاریخ کے جبر سے' بہرحال پاکستان صرف اسی سمت میں پیش قدمی کر سکتا تھا جسے آپ نے "تھرڈ آپشن" شمار کیا ہے —— یعنی میری تعبیر کے اعتبار سے پاکستان کے باپ اور ماں' یعنی اسلام اور جمہوریت دونوں کے تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کرنے والے نظام کی جانب پیش قدمی! —— جس کا آغاز بھی اس نے "قرارداد مقاصد" کی صورت میں کر دیا تھا! جس میں خود آپ کے بقول اسلام اور جمہوریت کا حسین امتزاج موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ "کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار۔ اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں!" کے مصداق کچھ اپنوں کی غلطی' اور کچھ اغیار و اعداء کی ریشہ دوانیوں کے باعث پاکستان اس راہ پر آگے نہیں بڑھ سکا! تاہم اس موضوع پر گفتگو بعد میں ہو گی!!

سردست صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے تین راستوں میں سے جسے اولین' اور غالباً اپنا پسندیدہ ترین راستہ قرار دیا ہے اس کا عالم واقعہ میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اور وہ قابل ذکر اور لائق التفات و اعتناء بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ قائداعظم کی ۱۱/ اگست ۴۷ء والی تقریر میں بیان ہوا تھا جس کا بہت مفصل اقتباس آپ نے دیا ہے۔ ورنہ پاکستان کے معروضی حالات میں اس سے زیادہ غیر منطقی اور "انہونی" بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی! اس لئے کہ آپ کو جو معروضی حقائق آج کے پاکستان میں نظر آ رہے ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ گھمبیر صورت میں قیام پاکستان کے وقت بھی موجود تھے —— آج اگر آپ کو پاکستان کے مذہبی عناصر کی ایک "پریشر گروپ" کی حیثیت سے قوت و طاقت کا اعتراف ہے' تو اس وقت بھی وہ نہایت موثر و فعال مذہبی عناصر موجود تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کے آخری اور فیصلہ کن ایام میں بھرپور اور حد درجہ فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ بلکہ آج کے حالات کے بارے میں تو آپ کا یہ مشاہدہ درست ہے کہ عوام میں مذہبی اُمنگ اور ولولہ بہت کم ہو گیا ہے اس وقت تو عوام کی عظیم اکثریت بھی مذہبی ولولوں اور امنگوں سے سرشار تھی! اندریں حالات قائداعظم کے یہ "ناگہانی" خیالات و فرمودات بالکل انگریزی محاورے "BOLT FROM THE BLUE" کے سے انداز میں صادر ہوئے تھے —— اور مولانا مودودی کا جو تاریخی جملہ آپ نے قرارداد مقاصد کے متعلق نقل فرمایا ہے وہ بالکل اسی انداز میں قائداعظم کے ان فرمودات پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

قائداعظم کے ان فرمودات کی توجیہہ و تاویل میں' اس سے قطع نظر کہ ان کو جماعت اسلامی اور اس کے ہم خیال لوگوں نے بقول آپ کے کس طرح توڑا مروڑا' خود قائداعظم کے مخلص ترین ساتھیوں اور گہری عقیدت و محبت کے حامل لوگوں کو بھی بہت دقت پیش آئی ہے۔ یہاں تک کہ چوہدری غلام احمد پرویز جو آخری دم تک کٹر مسلم لیگی اور علامہ اقبال اور قائداعظم دونوں کے عاشق و شیدائی رہے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد کے حالات کی سنگینی یعنی وسائل کے فقدان اور مہاجرین کے طوفان کے باعث قائداعظم کے اعصاب متاثر ہو گئے تھے —— اور اسی اعصابی دباؤ کے عالم میں یہ الفاظ نادانستہ طور پر قائداعظم کی زبان یا قلم سے صادر ہو گئے —— تاہم میری رائے یہ ہرگز نہیں ہے —— میرے نزدیک یہ قائداعظم کی سوچی سمجھی رائے تھی اور میرے پاس ان کے ان فرمودات کی ان کی عظیم شخصیت کے شایان شان تاویل بھی موجود ہے —— تاہم یہ بات تھی بالکل انہونی اور قطعاً ناقابل عمل!

قائداعظم کے ان فرمودات کا یہ مفہوم لینا تو قطعاً غلط ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے اعلانات اور وعدوں سے منحرف ہو گئے تھے۔ میرے نزدیک قائداعظم اگرچہ کوئی "مذہبی" انسان تو نہ تھے لیکن نہایت سچے اور کھرے اور ہر اعتبار سے مضبوط کردار کے حامل شخص تھے' لہٰذا ان کے بارے میں گندم نمائی اور جو فروشی کا گمان بھی ہرگز نہیں کیا جا سکتا —— البتہ یہ صحیح ہے کہ ان کے نزدیک نظام اسلامی کے قیام سے اصل مراد اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا قیام تھا (جہاں تک عقائد و عبادات کا تعلق ہے ان کے ضمن میں تو نہ برٹش انڈیا میں کوئی

قدغنیں تھیں نہ آج کے بھارت میں ہیں' اور نہ ہی پوری مغربی دنیا میں کہیں پائی جاتی ہیں!) اور ان کی رائے یہ تھی کہ اب جبکہ ایک ایسا ملک قائم ہو گیا ہے جس میں مسلمان عظیم اکثریت میں ہیں تو اس میں اسلامی نظام کا قیام ان خالص سیکولر اصولوں کے مطابق بھی ممکن ہے جو اس وقت پوری دنیا میں مروج ہیں' یعنی عوام کی اکثریت کی منشا اور مرضی کے مطابق فیصلہ اور قانون سازی! (جبکہ ظاہر ہے کہ اگر بھارت "اکھنڈ" رہتا تو ایسا امکان کبھی بھی قرین قیاس نہیں ہو سکتا تھا!) اندریں حالات اس کی کیا ضرورت ہے کہ آغاز ہی میں اسلام کا نقارہ بجا کر پوری دنیا کو خبردار کر دیا جائے اور اس طرح ابلیسی قوتوں کے ایوانوں میں کھلبلی مچا دی جائے۔

البتہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ قائداعظم کے ان فرمودات سے دو قومی نظریئے' اور مسلم قومیت کے تصور کی نفی ضرور ہو گئی تھی —— جس کی سادہ ترین تعبیر جناب ایس ایم ظفر نے اپنے اس جملے میں کر دی ہے کہ: "میرے نزدیک دو قومی نظریہ ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو دفن ہو گیا تھا!" (یا دش بخیر' کاش کہ آج جناب زیڈ اے سلہری زندہ ہوتے اور ظفر صاحب کی بھرپور سرزنش اپنی پوری بزرگانہ شان سے کرتے!) —— اور یہی میرے نزدیک حضرت قائداعظم کے ان فرمودات کے ناممکن العمل ہونے کی اصل وجہ ہے۔ اس لئے کہ کسی فرد کے لئے تو یہ آسان ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنے نظریئے اور عمل کے رخ کو بدل لے' لیکن تحریکوں اور جماعتوں' اور ان سے بھی بڑھ کر قوموں اور ملکوں کے لئے ایسا کرنا ہرگز آسان نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو بات آپ نے مولانا مودودی کے بارے میں لکھی ہے وہ خود قائداعظم پر بھی صد فی صد راست آتی ہے —— یعنی جس طرح مولانا مودودی پر ۵۰ء سے ۷۰ء تک پورے بیس برس جماعت اسلامی کو ملکی انتخابات میں حصہ لینے کی پالیسی پر بالفعل چلانے اور کارکنوں کو دلائل و براہین سے مطمئن رکھنے کے بعد ۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں دفعتاً یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اس راہ سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے' اور انہوں نے جماعت کا رخ بدلنا چاہا تو جماعت کی قیادت کی صف دوم نے بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور ایک روایت کے مطابق مولانا مرحوم بھنا کر یہ کہتے ہوئے شوریٰ کے اجلاس سے روانہ ہو گئے کہ: "آج جو دلیلیں آپ لوگ میرے سامنے پیش کر رہے ہیں یہ سب میں نے ہی آپ لوگوں کو بجھائی تھیں' لیکن اب میری رائے وہ ہے جو میں نے پیش کر دی' آگے آپ جانیں اور آپ کا کام!" —— اسی طرح غور فرمایئے کہ نصف صدی تک مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا راگ الاپتے رہنے' —— اور بالخصوص ۳۷ء تا ۴۷ء دس سال کے دوران تو دو قومی نظریئے اور مسلم قومیت کے اصول پر ایک عظیم عوامی تحریک چلانے اور اسی اصول کے مطابق ہندوستان کی تقسیم کرا کے پاکستان قائم کرا لینے کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ راتوں رات اس نئے ملک اور قوم کے رخ کو متحدہ وطنی قومیت کی جانب موڑ دیا جاتا! —— یہاں جی چاہتا ہے کہ حضرت قائداعظم کے اس خیال پر وہی تبصرہ کروں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک اقدام پر کیا تھا —— یعنی: ﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا﴾ یعنی جس طرح حضرت یعقوبؑ اپنی اس تدبیر کے ذریعے اپنے بیٹوں کو اللہ کی کسی تقدیر سے بچا نہیں سکتے تھے' مگر بس ایک خیال تھا جو ان کے جی میں آیا اور انہوں نے اسے پورا کر لیا' اسی طرح قائداعظم کے لئے بھی دو قومی نظریئے کے طاقتور MOMENTUM کے رخ کو دفعتاً بدلنا تو ممکن نہ تھا' البتہ یہ ایک خیال تھا جو ان کے ذہن میں آیا جسے انہوں نے پیش فرما دیا —— اور بس!!!

رہا یہ خیال کہ اگر قدرت قائداعظم کو مہلت دیتی اور ان کی زندگی کچھ مزید وفا کرتی تو عین ممکن تھا کہ وہ اپنی پوری شخصیت کے وزن کو استعمال کرتے ہوئے اس نئے رخ پر سلطنت کی گاڑی کو بالفعل چلا کر ایک نیا MOMENTUM پیدا کر دیتے —— تو اگرچہ واقعتاً اس کا پورا امکان موجود ہے —— تاہم اس امکان کی بھی مطلق نفی ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ اس صورت میں خود قائداعظم کی شخصیت "متنازعہ" بن جاتی! واللہ اعلم!!

رہا "قرارداد مقاصد" کے بارے میں جسٹس منیر صاحب کا بچگانہ بلکہ احمقانہ قول کہ خان لیاقت علی خان نے اس قرارداد کو قائداعظم کے انتقال کے انتظار میں اپنے نہاں خانہ قلب میں چھپائے رکھا —— تو حیرت اس پر ہوئی کہ آپ نے اس کا حوالہ ایک ثقہ رائے کی حیثیت سے کیسے دے دیا۔ جبکہ واقعہ تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ خود خان لیاقت علی خان بھی قائداعظم ہی کی طرح ایک خالص لبرل اور سیکولر مزاج کے حامل انسان تھے' اور قرارداد مقاصد ان کے اپنے دل کی آواز تھی ہی نہیں —— یہ تو ان پر تحریک پاکستان کے اس MOMENTUM کے حوالے سے ٹھونسی گئی تھی —— جس کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی سکت اس وقت کسی میں نہیں تھی۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ اس کے باوجود کہ مولانا مودودی نے قرارداد پاکستان کے منظور ہونے کے فوراً بعد اپنا راستہ مسلم لیگ سے علیحدہ کر لیا تھا اور تحریک پاکستان کے آخری ایام میں تو مسلم لیگ اور اس کی قیادت پر شدید تنقیدیں بھی کی تھیں' لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد جب وہ دستور اسلامی کا مطالبہ لے کر سامنے آئے تو پوری قوم نے ان کی تائید کی۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کے ان عناصر نے جو کسی قدر مذہبی مزاج کے حامل اور کم از کم صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور جن میں زیادہ بڑی تعداد مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ارکان دستور ساز اسمبلی کی تھی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں قرارداد مقاصد کی منظوری میں فیصلہ کن رول ادا کیا —— اس ضمن میں آپ نے مسلم لیگی قیادت کی اس نااہلی کا ذکر تو کئی بار کیا ہے کہ وہ مذہبی حلقوں کے استدلال کا مؤثر جواب نہ دے سکی لیکن اس کا سبب بیان نہیں کیا۔ جو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ "خود کردہ را علاجے نیست!" کے مصداق آخر وہ اس عوامی جوش و خروش کا مواجہہ کس منہ سے کرتی جسے خود اس نے شدید محنت و مشقت سے پیدا کیا تھا! —— مسلم لیگ کے کچھ دانشور قسم کے قائدین نے آئیں بائیں شائیں کے انداز میں "کونسا اسلام؟" اور "کس فرقے کا اسلام؟" قسم کے سوالات سے اس عوامی رو کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی بھی تو ۵۰ء میں (قرارداد مقاصد کی منظوری کے ایک ہی سال بعد) تمام مکاتب فکر اور جملہ مسالک کے ۳۱ علماء نے دستور کے ضمن میں ۲۲ متفق علیہ نکات پیش کر کے اس غبارے سے بھی ہوا نکال دی!

الغرض' ع "خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ" کے مصداق ﴿اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾ نے ﴿فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ کے مطابق تحریک پاکستان میں جو اجزائے ترکیبی ودیعت کر دیئے تھے ان کا واحد منطقی اور قطعی طور پر لازمی و لابدی نتیجہ وہی تھا جسے آپ نے "تھرڈ آپشن" قرار دیا ہے' یعنی اسلام اور جمہوریت کا امتزاج! جس کے مظہر اول کی حیثیت تھی قرارداد مقاصد کو اور مظہر ثانی تھا ۵۶ء کا دستور! —— اس لئے کہ سیکولر ڈیماکریسی پاکستان میں اس لئے ناقابل عمل تھی کہ یہ اس کے "باپ" یعنی اسلام کے منافی تھی' تو کسی بھی قسم کی تھیاکریسی بھی یہاں ناقابل تصور تھی' اس لئے بھی کہ یہ اس کی "ماں" یعنی جمہوریت کی نفی کرتی ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں کوئی مذہبی پیشوائیت (RELIGIOUS HIERARCHY) بھی کسی منظم اور مربوط صورت میں موجود نہیں تھی!!

(جاری ہے)

# پہلے تولیں پھر بولیں

——— تحریر : فرقان دانش خان ———

**روزنامہ "اوصاف" اسلام آباد میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں کالم نگار ایم ایم ادیب کی گوہر افشانی کا جواب**

بچپن میں ایک کہاوت سنی تھی "پہلے تولو پھر بولو" یعنی کوئی بات کہنے یا لکھنے سے پہلے اگر اچھی طرح سوچ سمجھ لیا جائے تو انسان بہت سے نقصانات مثلاً شرمندگی اور پریشانی سے بچ جاتا ہے۔ بالکل یہی تاثر روزنامہ اوصاف میں ایم ایم ادیب کی تحریر پڑھ کر ابھرا جس میں انہوں نے معروف عالم دین اور دینی رہنما محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں بغیر کسی تحقیق اور چھان پھٹک کے انتہائی نامناسب انداز میں لب کشائی کی جسارت کی ہے۔ جبکہ شعبۂ صحافت سے منسلک ہر کارکن کے پیش نظر یہ فرمان رسولؐ رہنا چاہئے کہ "کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ایک بات سنے اور بغیر تحقیق کئے اسے آگے بیان کردے"۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف نے اس تحریر میں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کی ناکام سعی کی ہے' جو کسی طور ایک متشرع چہرے والے "ادیب" کے شایان شان نہیں۔ مثلاً اپنے مضمون کا عنوان قائم کرتے ہوئے بھی وہ اس تضاد سے دامن بچا نہیں پائے جو ان کی تحریر میں جابجا نظر آتا ہے۔ عنوان میں ایک جانب اگر وہ ڈاکٹر اسرار احمد کو محترم قرار دے رہے ہیں اور ان کے علمی مقام اور دینی جذبات کے معترف نظر آتے ہیں تو دوسری طرف پر اسراریت کے لفظ میں چھپی طنز کی کاٹ کو بروئے کار لانے میں بھی تامل محسوس نہیں کرتے۔ ایک مخلص عالم دین کے لئے جنہیں وہ خود بھی مذہبی دانشوروں اور دینی سکالرز کی صف میں شامل کر رہے ہیں' اس قسم کی طعنہ زنی صاحب مضمون کے ہلکے پن کی واضح دلیل ہے اور سنجیدگی اور وقار کے یکسر منافی ہے۔

موصوف کا یہ فرمانا کہ جماعت اسلامی کے انتخابی سیاست میں ملوث ہونے پر ڈاکٹر صاحب کا اختلاف اور علیحدگی کی بنیاد بہت ہی کمزور ہے' کیونکہ ان کے تمام رفقاء جو ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں ہر انتخاب میں اپنا حق رائے دہی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی اسی انتخابی نظام کے ذریعے منتخب ہو کر برسر اقتدار آنے والے لوگوں سے براہ راست مذاکرات کرنے کے علاوہ بہت سے امور میں ان کی مدد کے لئے خود کو پیش بھی کر چکے ہیں۔

موصوف کا یہ استدلال ان کی کم فہمی اور کوتاہ نظری پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ گواہ ہے کہ دینی جماعتوں کا انتخابی سیاست کے میدان میں کودنا اس ملک میں اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوا ہے۔ اسلام کے نام پر مختلف دینی جماعتوں کا ووٹ مانگنا فرقہ وارانہ تعصب میں اضافے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ الیکشن پالیٹکس میں دینی جماعتوں کی اخلاقی ساکھ کا جس طرح دھیلا ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گزشتہ پچاس سالوں میں انتخابات میں دینی جماعتوں کا گراف اوپر جانے کی بجائے مسلسل نیچے گرا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ جو جماعتیں انتخابی نظام کا حصہ بن کر تبدیلی کی خواہش مند رہی ہیں وہ بھی تھک ہار کر بیٹھ گئی ہیں۔ بعض دینی جماعتوں نے تو نفاذ اسلام کے لئے پاور پالیٹکس ترک کر کے انقلابی سیاست اختیار کرنے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ خود جماعت اسلامی نے بھی مستقبل میں الیکشن میں شرکت سے توبہ کر لی ہے۔ ان حقائق کے باوجود اگر کوئی اپنی آنکھیں ہی بند کر لے تو اس کو ر چشمی کا علاج کم از کم ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ بات تو آج ایک ان پڑھ بھی جانتا ہے کہ انتخابات پہلے سے قائم کسی نظام کو چلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ انتخابات کے ذریعے تبدیلی حکومت تو عمل میں آتی ہے لیکن نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ ڈاکٹر صاحب کا واضح موقف یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کا غلبہ و نفاذ الیکشن کے راستے ممکن نہیں ہے اور جو دینی جماعتیں اس راستے سے اسلام کے نفاذ کی کوشش میں مصروف ہیں وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں اور اپنی دینی و اخلاقی ساکھ کو ہی نہیں اسلام کے cause کو بھی نقصان پہنچانے کا موجب بن رہی ہیں۔ اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خود پاکستان کی گزشتہ ۵۰ سالہ تاریخ ڈاکٹر صاحب کے موقف کی اصابت پر سب سے بڑی گواہ ہے۔

تاہم ملک میں جمہوری عمل کے جاری رہنے اور یہاں انتخابات کی ضرورت و اہمیت کے محترم ڈاکٹر صاحب شدت سے قائل ہیں۔ اس لئے کہ ان کے بقول مملکت خداداد پاکستان کا باپ اگر اسلام ہے تو جمہوریت اس کی ماں ہے کیونکہ یہ ملک ایک جمہوری عمل کے نتیجے میں قائم ہوا۔ چنانچہ جب تک پاکستان میں حقیقی اسلامی نظام قائم نہیں ہو جاتا موجودہ انتخابی عمل میں رکاوٹ ملکی سالمیت کے نقطہ نگاہ سے خودکشی کے مترادف ہوگی مطلب یہ کہ نظام کی تبدیلی اور انتخابی عمل دو الگ چیزیں ہیں اور ان کے تقاضے بھی جدا جدا ہیں۔ جیسے ایک ہے کسی انسان کا زندہ رہنا اور ایک ہے اس کا مسلمان بننا۔ ان دونوں کے تقاضے بالکل مختلف ہیں۔ کسی بھی انسان کو خواہ وہ مسلمان ہو' ہندو ہو' سکھ ہو' پارسی ہو' زندہ رہنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوا' پانی اور غذا۔ لیکن ایک انسان کے مسلمان بننے کے لئے ایمان درکار ہوتا ہے۔

ایمان یا یقین کی کچھ نہ کچھ رمق اس کے دل میں ہوگی تب ہی وہ اسلام پر عمل پیرا ہوگا۔ بالکل اسی طریقے سے ایک ملک کے بسنے والوں میں اس اطمینان کی کیفیت کا ہونا کہ ملک کے انتظامی امور میں ہماری بھی participation ہے' ہماری رائے کا یہاں احترام ہوتا ہے' اس ملک کی بقا اور سالمیت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس عمل میں رکاوٹ انتہائی خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا انتخابی عمل کی اپنی جگہ اہمیت ہے تاہم یہاں اسلام لانے کے تقاضے بالکل جدا ہیں۔ الیکشن کے راستے میں یہاں لامحالہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی حکومت آئے گی جو اس فرسودہ نظام کے سب سے بڑے محافظ ہیں جبکہ اسلام لانے کے لئے انقلابی جدوجہد درکار ہے۔ چنانچہ اس کے لئے ڈاکٹر صاحب آج کل "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کی تشکیل کے لئے کوشاں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا گزشتہ ۳۰ برسوں سے یہی موقف ہے جسے انہوں نے ہمیشہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نمایاں دینی رہنماؤں میں ڈاکٹر صاحب کا شمار ان چند گنے چنے افراد میں کیا جا سکتا ہے کہ جن کے موقف میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور ان کا طرز عمل بھی ہمیشہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی مذہبی' سیاسی رہنماؤں کی طرح فکری قلابازیاں نہیں کھائیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اسلامی ریاست کا قیام انقلابی عمل کے بغیر ممکن نہیں۔ البتہ اسلامی انقلاب کے نتیجے میں جب ایک صحیح اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو اب اس نظام کو چلانے کے لئے انتخابات بھی ہوں گے کیونکہ مشاورت کا وسیع تر نظام آج کل یہی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے نواز حکومت سے مایوسی کے واضح اظہار کے باوجود علماء کمیٹی کی سربراہی قبول کی اور پھر مستعفی بھی ہو گئے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ گزشتہ تین چار ماہ کے دوران محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے متعدد بار اپنی تقاریر میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ نواز حکومت نفاذ اسلام کے معاملے میں قطعاً مخلص نہیں ہے اور وہ امریکہ اور آئی ایم ایف کو ہی اپنا ملجا و ماویٰ اور آقا سمجھتی ہے' لیکن جب فرقہ وارانہ ہم آہنگی جیسے اہم دینی مسئلے پر حکومت نے اپنے سابقہ طرز عمل میں لچک کا مظاہرہ کرتے ہوئے عملی اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا جو کہ محترم ڈاکٹر صاحب کی طویل عرصہ پر محیط شیعہ سنی مفاہمت کی جدوجہد سے متعلق اور ہم آہنگ تھا تو انہوں نے نواز شریف حکومت سے مایوسی اور بیزاری کے باوجود ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفاد کے پیش نظر اس دینی ذمہ داری کو وزیر اعظم اور ان کے والد محترم کے اصرار پر قبول کر لیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کی سب سے بڑی رکاوٹ شیعہ سنی جھگڑا ہے جو یہودی سازش کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اگر کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے تو پاکستان' افغانستان اور ایران پر مشتمل اسلامی بلاک عالم اسلام کے خلاف صیہونی عزائم کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمیں حیرت ہے یہ بات جو ڈاکٹر صاحب کے کریڈٹ میں جاتی ہے صاحب مضمون اسے ڈس کریڈٹ کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کا یہ اقدام اس امر کا بین ثبوت ہے کہ انہیں کسی شخص یا کسی حکومت سے خدا واسطے کا بیر نہیں ہے بلکہ الحب فی اللّٰہ اور البغض فی اللّٰہ کے اصول کے مطابق ان کی ترجیح صرف اور صرف اسلام کا قیام اور دین کی مصلحت ہے۔ اور وہ اسلام کے معاملے میں کبھی ذاتی مفاد' تعصب یا مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیتے۔ چنانچہ جب محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے محسوس کیا کہ ان کی شخصیت کو متنازعہ بنا دیا گیا ہے جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا کے لئے فائدے کے بجائے نقصان کا موجب بن سکتا ہے تو انہوں نے اس کمیٹی کی سربراہی سے مستعفی ہونا اپنا اخلاقی فرض اور مصلحت دین کا تقاضا سمجھا اور اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنانے کے بجائے یا کسی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اپنی ذات کو منظر سے ہٹا لینے کا جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے استعفاء میں اس کمیٹی کو برقرار رکھنے کی سفارش بھی کی اور بعض عملی تجاویز بھی پیش کیں تاکہ یہ عمل اطمینان بخش طور پر جاری رہے۔ کالم نگار کی نظر سے شاید علماء کمیٹی کے اراکین اور دیگر علمائے کرام کے وہ اخباری بیانات نہیں گزرے جن میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے استعفیٰ کو ان کی علمی عظمت اور اخلاقی جرأت کا مظہر قرار دیا ہے۔ لیکن یہ مسلم حقیقت ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص سے خدا واسطے کا بیر ہو تو اس کی خوبیاں بھی اسے خامیوں کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ وہ بات جو ڈاکٹر صاحب کی عظمت کی دلیل ہے وہی فاضل مضمون نگار کو سب سے زیادہ قابل اعتراض محسوس ہوئی ہے ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

فاضل کالم نگار تنظیم اسلامی کی امارت کے مسئلے پر بھی گوہر افشانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے صاحبزادے حافظ عاکف سعید کو جانشین نامزد کر کے اسلاف کی سنت سے روگردانی کی ہے۔ اس ضمن میں ہم صرف یہ کہنا چاہیں گے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو تو ایک ہی ہسپتال میں کان کے امراض کا شعبہ الگ ہوتا ہے' جبکہ امراض دل اور امراض چشم غرضیکہ ہر مرض کے الگ الگ ماہرین طب موجود ہوتے ہیں۔ کبھی کسی کو نہیں دیکھا گیا کہ تکلیف تو اس کے گھٹنے میں ہو اور وہ ماہر امراض چشم کے پاس علاج کے لئے پہنچ جائے۔ یا بجائے ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کے کسی بڑھئی کے دروازے پر دستک دینے لگے۔ لیکن دین اسلام وہ مظلوم شعبہ ہے کہ اس کے بارے میں ہر شخص خواہ وہ قرآن و حدیث سے بالکل بے بہرہ اور عربی زبان کی شدبد سے بھی ناواقف ہو' خود مجتہد اعلیٰ بن بیٹھتا ہے اور فتوے دینے میں کسی سپیشلائزیشن کو ضروری نہیں سمجھتا۔ جانشینی کے مسئلے پر اگر فاضل کالم نگار کسی مفتی یا عالم دین سے رجوع فرما لیتے تو ان کو ڈاکٹر صاحب کے اس فیصلے پر یوں الزام تراشی کی ہمت نہ پڑتی۔ شاید موصوف کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تنظیم کے اراکین سے کئی ہفتوں پر مشتمل مشاورت اور برسوں غور و فکر کے بعد رفقاء تنظیم اور مجلس مشاورت کے مشوروں کی روشنی میں یہ اہم فیصلہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء نے بھی اس مسئلے پر اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ وہ حافظ عاکف سعید پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اور ان کی قابلیت' بالغ نظری اور اصابت رائے کے معترف ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی کے اس فیصلے سے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے تنظیم کو چھوڑنے والے اشخاص کی تعداد ایک فی صد بھی نہیں بنتی۔ دراصل دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس کی گہرائی کا اندازہ کرنا اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے۔ اس کے لئے درست طرز عمل یہ ہے کہ پہلے گہرے پانی میں اترا جائے' تبھی کوئی شخص اس دریا کے بہاؤ اور گہرائی کے بارے میں صحیح اندازہ قائم کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر وہ خود بھی غلط فہمی کا شکار رہے گا اور دوسروں کو بھی دریا عبور کرنے سے روکنے کا سبب بنے گا۔ شاید ہمارے اہل قلم کے اسی غیر ذمہ دارانہ طرز عمل نے عوام کو مخلص علمائے دین سے دور کر دیا ہے۔


## ضرورت رشتہ

تعلیم انڈر ایف ایس سی' عمر 29 سال' لاہور میں پرائیویٹ ملازمت' تنخواہ تقریباً 5 ہزار' مذہبی رجحان کے حامل نوجوان کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ رابطہ : فضل حسین

معرفت : قرآنک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'
مین بلیوارڈ خیابان جناح' لاہور کینٹ 54810
(فون / فیکس : 5725701)

☆ ☆

امریکہ میں مقیم دینی رجحان کے حامل 21 سالہ پڑھے لکھے نوجوان کے لئے باپردہ' کم از کم میٹرک لڑکی کا قوری رشتہ درکار ہے۔

رابطہ : سردار اعوان
36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501


## گوشہ اطفال

### نماز

ادب اور سلیقہ سکھائے نماز — برائی سے ہر دم بچائے نماز
ہوا اس کا پابند جو نیک خو — تر و تازہ اس کو بنائے نماز
جو دنیا میں مردان غازی بنیں — انہیں باغ رضواں دکھائے نماز
بڑی صحبتوں کے جو عادی ہوئے — انہیں نیک راہوں پہ لائے نماز
خدا سے دعا ہے یہ میری مجید
میرے کام عقبیٰ میں آئے نماز

# اسرہ باجوڑ کی دعوتی سرگرمیاں

یکم مئی کے روز بعد نماز عصر جناب فیض الرحمٰن، گل محمود، محمد طاہر، یوسف جان، سردار محمد، محمد بادشاہ (بروخلوزو گاؤں) جامع مسجد پہنچے۔ نماز عصر کے بعد جناب فیض الرحمٰن نے سورۂ رحمٰن کی ابتدائی چار آیات کی روشنی میں کلام اللہ کی عظمت کو واضح کیا۔ فارسی کا ایک شعر ہے ؎ قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری "یعنی موتی اور ہیرے کی قدر و قیمت کو جاننے والا یا بادشاہ ہوتا ہے اور یا جوہری! اسی طریقے پر قرآن کی عظمت سے تو وہ ہستی واقف ہے جس کا یہ کلام ہے اور پھر دوسرے نمبر پر اس کی عظمت سے صحیح واقف وہ ہستی ہے جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے یعنی محمد ﷺ۔ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی چار آیات بڑی مختصر مگر جامع ہیں۔ فیض الرحمٰن نے کہا کہ اللہ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس رحمٰن نے ہمیں قرآن کی تعلیم دی۔ اس سے قرآن کی عظمت معلوم ہو گئی کہ اس کا تعلق اللہ کی صفات رحمانیت سے ہے۔

تیسری آیت میں انسان کی تخلیق کا ذکر کیا گیا۔ اللہ نے صرف انسان کی تخلیق نہیں فرمائی بلکہ جنوں، ملائکہ اور شجر و حجر کی تخلیق بھی فرمائی۔ چاند سورج وغیرہ کی بھی تخلیق فرمائی۔ لیکن یہاں امتیازی طور پر انسان کا ذکر ہے۔ گویا انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطۂ عروج (Climax) ہے۔ یعنی ① صفات باری تعالیٰ میں چوٹی کی صفت رحمٰن ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو علم عطا فرمایا اس میں چوٹی کی صفت علم ہے قرآن ہے ③ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں چوٹی کی چیز انسان ہے ④ اللہ نے انسان کو جو صلاحیتیں دی ہیں ان میں سب سے اونچی صلاحیت قوت بیانیہ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا "تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا" بعد ازاں گل محمود، محمد طاہر، یوسف جان اور اس گاؤں کے مقیم طالب علم جاوید صاحب نے ہمارے ساتھ ہائی سیکنڈری سکول جا کر والی بال ٹیم کے کھلاڑیوں کو مغرب کی نماز کے بعد پروگرام میں شرکت پر آمادہ کیا۔ نماز مغرب کے بعد جناب فیض الرحمٰن نے کہا کہ پورے دین کے لئے پورے ایمان کی ضرورت ہے اور پورے ایمان کے لئے پورے فکر کی ضرورت ہے جب فکر نامکمل ہے تو ایمان بھی نامکمل ہے اور جب ایمان نامکمل ہے تو دین لازماً نامکمل ہو گا۔

آپ نے کہا کہ ایمان مجمل میں ہم اللہ کے ساتھ تین باتوں کا وعدہ کرتے ہیں کہ ① اللہ اپنی ذات میں یکتا ہے ② صفات میں یکتا ہے ③ اور حقوق و اختیارات میں بھی یکتا ہے۔ ساتھ ہی دو چیزیں بطور شرط ہیں زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق۔ ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی گوشے ہیں۔ ان دونوں کو جمع کرنے سے پورا دین بنتا ہے۔ انفرادی حصہ عقیدہ، عبادات اور رسومات پر مشتمل ہے جبکہ اجتماعی زندگی میں سیاسی نظام، معاشرتی نظام اور معاشی نظام شامل ہیں۔ آپ نے واضح کر دیا کہ ہمیں انفرادی سطح پر آزادی حاصل ہے جب کہ ہمارے دین کا اجتماعی حصہ کفر اور شرک پر مشتمل ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زندگی کا انفرادی اور اجتماعی حصہ اللہ کے حکم کے تابع کریں۔ اس پروگرام میں ⑭ افراد نے شرکت کی۔ عشاء کی نماز کے بعد راقم نے دینی فرائض کا جامع تصور بیان کرتے ہوئے کہا کہ بنیادی طور پر ہمارے تین فرائض ہیں ① خود دین پر کاربند ہونا ② دین کو دوسروں تک پہنچانا ③ دین کو قائم کرنا۔ ان فرائض کی ادائیگی کے لئے تین لوازم ہیں۔ پہلا لازمہ جہاد ہے۔ دوسرا لازمہ التزام جماعت ہے۔ تیسرا لازمہ بیعت ہے۔ اس پروگرام میں تقریباً ⑩⑩ افراد نے شرکت کی۔ رات کے آخری حصے میں راقم نے رفقاء کو نوافل کی نماز کے لئے بیدار کیا۔ نماز فجر کے بعد جناب فیض الرحمٰن نے ایک حدیث بیان کی۔ آپ نے جماعتی زندگی کی اہمیت واضح کی اور کہا کہ کسی نہ کسی دینی جماعت میں شامل ہونے سے پہلے چار باتیں سامنے رکھیں:

۱) پورے دین کی وضاحت کرنے والی جماعت ہو۔
۲) نظم و ضبط والی جماعت ہو۔
۳) خود دین پر کاربند رہنے والی جماعت ہو۔
۴) واضح طریقہ کار کی حامل جماعت ہو۔

اگر آپ کو مندرجہ بالا اوصاف کی حامل جماعت مل جائے تو اس میں شامل ہو جائیں۔ اس پروگرام میں تقریباً ⑧⑩ افراد نے شرکت کی۔ یہ احباب زیادہ تر تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ لوگوں پر بہت زیادہ مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے اب تک اس طریقے سے قرآن کا انقلابی پروگرام اور دعوت نہیں سنی تھی۔ (رپورٹ: گل محمود)

## حلقہ پنجاب غربی کے زیر اہتمام سرگودھا میں دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

حلقہ پنجاب غربی کے زیر اہتمام دو روزہ (۲۵، ۲۶/ اپریل) دعوتی و تربیتی پروگرام کے سلسلہ میں سرگودھا، میانوالی اور فیصل آباد کے رفقاء ۲۴/ اپریل کی رات قرآن ہال سرگودھا میں پہنچ گئے۔ پروگرام کے سلسلہ میں مشاورت ہوئی کہ رفقاء دو جماعتوں میں منقسم ہو کر مسجد فاروق اعظم نیو سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا اور جامع مسجد لیاقت کالونی پی اے ایف روڈ میں پروگرام کریں گے۔

۲۵/ اپریل بعد نماز فجر ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے "ایمان بالآخرت" کے موضوع پر درس دیا۔ ناشتہ کے بعد حلقہ کی مشاورتی نشست ہوئی جس کی صدارت امیر حلقہ جناب رشید عمر نے کی۔ ماہنامہ حکمت قرآن میں شائع ہونے والے مضمون بعنوان "قرآن حکیم سے ہمارے حجاب کے اسباب" کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔

مسجد فاروق اعظم میں تربیتی نشست کے دوران رفقاء کے درمیان "ایمان" کے موضوع پر مذاکرہ ہوا۔ بعد نماز ظہر پروفیسر خان محمد نے ایمان کے موضوع پر دعوتی خطاب کیا جس میں ۵۰ افراد نے شرکت کی۔ پروفیسر صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ ایمان جس قدر گہرا اور مضبوط ہو گا اسی قدر اعمال بھی جاندار اور حقیقی ہوں گے۔ نماز عصر کے بعد حاجی اللہ بخش نے درس حدیث دیا۔ نماز مغرب کے بعد ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے "مطالبات دین" کے موضوع پر خطاب کیا اور اس پہلو پر بالخصوص توجہ دلائی کہ پورے دین پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ مقامی لوگوں میں سے تقریباً ستر افراد نے شرکت کی۔ ۲۶/ اپریل کو بعد نماز فجر جناب رشید عمر نے سورۂ جاثیہ پر درس دیا جس میں پچاس افراد نے شرکت کی۔ ناشتہ کے بعد رفقاء کے لئے تربیتی پروگرام میں ایمان کی تکمیلی بحث کی گئی اور مذاکرہ میں "ایمان کے اثرات و ثمرات" اور "ایمان کے تقاضے" پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ بعد ازاں "فرائض دینی کے جامع تصور" کے موضوع پر "عبادت رب" اور "شہادت علی الناس" پر رفقاء نے اظہار خیال کیا۔ اس موضوع پر اختتامی گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر خان محمد نے کہا کہ ایمان کی محنت بھی اعمال کا اہم ترین حصہ ہے نیز یہ کہ ہم صرف دین کی دعوت دینے والے ہی نہ بنے رہیں بلکہ خود عمل کرنے والے بھی ہوں۔ بعد نماز ظہر رشید عمر صاحب نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے موضوع پر خطاب کیا۔

بعد نماز مغرب ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے "قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر خطاب کیا۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کا تعارف پیش کیا اور کہا کہ دونوں دینی اداروں کی بنیاد قرآن حکیم ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے حاضرین کو تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن میں شمولیت کی دعوت دی۔ حاجی اللہ بخش، امیر تنظیم اسلامی سرگودھا، نے بھی دعوتی خطاب کیا۔

اس دو روزہ پروگرام میں عاشورۂ محرم کی وجہ سے جماعتوں کی صورت میں گشت نہیں ہو سکے۔ تاہم دو دو رفقاء پر مشتمل مختلف ٹولیوں کی صورت میں انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے لوگوں کو تنظیم اسلامی کی دعوت دی گئی اور خطاب سننے کے لئے مسجد میں آنے کی ترغیب بھی دلائی گئی۔

حیدر آباد ٹاؤن میں خصوصی ملاقاتوں کے ذریعے سربرآوردہ افراد سے رابطہ کر کے تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کی گئی۔ سرگودھا شہر کے مختلف علاقوں میں انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

بیرون شہر جانے والی جماعت نے فروکہ' ساہیوال اور شانکڈر میں انفرادی ملاقاتیں کیں اور اجتماعی خطابات بھی کئے۔ بعد نمازِ عشاء دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ سرگودھا سے مجموعی طور پر (۱۸) رفقاء فیصل آباد سے (۱۶) میانوالی سے (۲) اور اسرہ چک ۱۲۷ سے (۵) رفقاء نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ ۲۶/ اپریل کو مسجد فاروق اعظم میں مکتبہ بھی لگایا گیا۔ (رپورٹ : اللہ یار)

## بقیہ : منبر و محراب

میں جو ایمان معتبر ہے وہ دل کے یقین والا ایمان ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں یقین حاصل ہو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم جھوٹ بولیں۔ دھوکہ دیں' کرپشن کریں یا رشوت لیں۔

آخرت میں اس یقین قلبی والے صاحب ایمان اور محض زبان سے اقرار والے وہ مسلمان جو یقین قلبی کی دولت سے یکسر محروم اور نفاق کا شکار تھے' الگ کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا پہلی شرط تصدیق قلبی والا ایمان ہے جس کے حصولی کا سب سے مؤثر ذریعہ قرآن ہے۔ جتنا قرآن کے مضامین پر غور و فکر کریں گے اور قرآن کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کریں گے ایمان بڑھتا جائے گا۔

دوسری شرط اعمال صالحہ ہے۔ قرآن میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر لازماً آتا ہے۔ اصل میں یہ توجہ دلائی جا رہی ہے کہ زبان کی نوک والا ایمان نہیں بلکہ وہ ایمان درکار ہے جس کی شہادت ہمارا عمل دے' یعنی ایمان کا دعوے دار یہ دیکھے کہ کس شے سے بچنا ضروری ہے' کس کو اختیار کرنا دینی ذمہ داری ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کامیابی ہر اس شے سے بچنا ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ صرف خود ہی عمل نہیں کرنا بلکہ دوسروں کو بھی اس رخ پر لانا ہے۔ اگر باہر کا ماحول صالح نہ ہو تو انسان انفرادی طور پر بھی عمل صالح کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا ﴿ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ﴾ جس کے لئے قرآن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اصطلاح بھی آئی ہے اور جس کا نقطۂ عروج رب کی دھرتی پر رب کا نظام قائم کرنے کے لئے اپنی جان و مال سے جہاد کرنا ہے۔ اگر کسی کی زندگی اس جدوجہد سے خالی ہے تو اس کی کامیابی کی ضمانت کم از کم سورۃ العصر سے تو نہیں ملتی۔ کیونکہ طاغوتی نظام کے زیر سایہ رہتے ہوئے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے جدوجہد نہ کرنا عملاً اللہ سے بغاوت کے نظام سے مفاہمت کے مترادف ہے۔ جب بھی کوئی انسان اس جدوجہد کو اختیار کرے گا تو پھر فقر و فاقہ' ملامت' امتحانات' مصائب' مشکلات کا لازماً سامنا ہو گا چنانچہ کامیابی کی چوتھی شرط ﴿ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ بیان ہوئی ہے۔ کیونکہ اس موقع پر صبر و استقامت کا دامن اگر چھوڑ دیا تو سب اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

## تمدن و معاشرت

# سماجی برائیاں : لمحۂ فکریہ!

تحریر : محمد یعقوب عمر'

ہمارے اکثر بھائی یہ کہتے نہیں تھکتے کہ مغرب والے ہمارے اصول لے گئے۔ حیرانگی ہوتی ہے کہ یہ کوئی گندم' جوار یا چاول تو نہیں تھے کہ اس کی مقدار معین تھی اور چرائے جانے پر ختم ہو گئے۔

آج ہمیں نہ تھوکنے کا سلیقہ ہے نہ سڑک پار کرنے کا شعور' بات بات پر بدتمیزی اور غیر شائستہ لب و لہجہ اختیار کر لینا ہمارا شعار بن چکا ہے۔ ان سماجی برائیوں کی وجہ اللہ کے خوف کا دلوں سے محو ہو جانا اور روز قیامت کے محاسبہ کا ڈر جاتے رہنا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کو بھلا دینے کی وجہ سے آج نہ بڑے کی تکریم ہے اور نہ چھوٹے سے پیار۔

ہندوستان کی تقسیم کے موقع پر جو لوگ ہجرت کر کے اس خدائی تحفہ میں بعد از زخم بسیار پہنچے تھے' وہ جانتے ہیں کہ ہندو اور سکھ نے کس طرح ہماری غیرت کو تار تار کیا۔ کتنے لوگ خون میں نہائے اور کتنی عصمتیں لٹیں مگر آج اس مملکت خداداد میں مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں پریشان حال ہیں۔ دین پر چلنے کی کوشش میں زندگی گزارنے والوں کے لئے آج مسلمان ہی عذاب بنے ہوئے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو لاٹری' جوئے' سٹے اور سود کو حلال سمجھ کر کھا پی رہے ہیں؟ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں جہاں دین سکھانے والے مدرسے ہیں' وہاں ناچ گانے سکھانے والی اکیڈمیاں بھی ہیں۔ سود کو فروغ دینے والے ادارے بھی ہیں اور قومی اسمبلی میں شریعت بل بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں سے دوستیاں بھی ہیں اور قرآن و سنت پر چلنے کے نعرے بھی ہیں۔ اس منافقانہ طرزِ عمل کے ذریعے آخر ہم کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں؟ اپنے اللہ کو؟ خود کو یا اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو؟

پاکستان اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ تب ہی بن سکے گا جب ہم اللہ' اس کے رسولؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا دین اپنی ذات پر' اپنے گھر میں اور اپنے ملک میں نافذ کریں گے وگرنہ ملک خداداد کو حاصل کر لینے اور اس میں دین اسلام کے احیاء کو ناتمام چھوڑنے کی پاداش میں کافروں کے مقابلے میں سزا کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ انہی بداعمالیوں کی وجہ سے ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بن چکی

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

### شیخوپورہ میں ۱۰ روزہ تفہیم دین کورس

محلہ جہانگیر آباد برمکان حماد فیاض (نزد مسجد حافظ صاحب) پر روزانہ بعد نماز مغرب تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے زیر اہتمام (۱۷) تا (۲۶) مئی ۹۹ء تفہیم دین کورس منعقد ہو گا۔

### حلقہ گوجرانوالہ کی احتجاجی ریلی

(۲۹) مئی بروز اتوار دس بجے دن تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ کے دفتر واقع شیرانوالہ باغ سے اڈا گوندانوالہ تک احتجاجی ریلی منعقد ہو گی جس میں سودی نظام کی مذمت کی جائے گی۔ دین و ملت کے سبھی خواہوں سے شرکت کی پرزور اپیل ہے۔

الداعی : امیر حلقہ گوجرانوالہ محمد شاہد اسلم

تنظیم اسلامی فلاح و نجات کی اسی شاہراہ پر گامزن ہونے کی دعوت دیتی ہے چنانچہ اس ضمن میں کشاکش اقتدار کی سیاست سے الگ رہتے ہوئے ملک میں نفاذ اسلام کے لئے تنظیم اسلامی نے تین ماہ پیشتر دینی و مذہبی جماعتوں کے اتحاد کی جو کوششیں شروع کی تھیں وہ بحمد اللہ بار آور ثابت ہوئیں اور پہلے مرحلے میں چار دینی جماعتوں کے سربراہوں نے ۸ نکاتی لائحہ عمل پر اتفاق کرتے ہوئے "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کے نام سے ایک اتحاد کی تشکیل کا اعلان کر دیا ہے۔ نیز پاکستان کی تاریخ میں ایسا شاید پہلی بار ہوا ہے جب دینی جماعتوں نے پاور پالیٹکس یعنی انتخابی سیاست سے الگ رہتے ہوئے پریشر گروپ کی صورت میں نفاذ دین کی جدوجہد کے لئے اتحاد کا فیصلہ کیا ہو۔ ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس اتحاد سے ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی خیر ضرور برآمد ہو گا اور امید کی جا سکتی ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کی منزل اب بہت زیادہ دور نہیں۔ تنظیم اسلامی دوسری دینی جماعتوں کے رہنماؤں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ وقت کا تقاضا پہچانیں اور اپنے ماضی کے گلے شکووں کو بھول کر پاکستان میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے متحد ہو جائیں۔

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
سی پی ایل نمبر: 127
جلد 8، شمارہ 18
سالانہ زرِ تعاون -/175 روپے

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ۔ ریلوے روڈ، لاہور
مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5869501-03

معاونین برائے تحریر:
○ مرزا ایوب بیگ ○ نعیم اختر عدنان
○ سردار اعوان ○ فرقان دانش خان
نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین

# "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کی تشکیل کے موقع پر مرتب کردہ متفقہ دستاویز کا مکمل متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج ہم چار دینی جماعتوں کے ذمہ دار خادمین، اللہ کا نام لے کر اور اس ہی کی تائید و توفیق پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک ایسے "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کے قیام، اور اس میں شمولیت کا اعلان کرتے ہیں جو کشاکش اقتدار سے کنارہ کش رہتے ہوئے قرآن حکیم کی ابدی ہدایت: "اور تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آنی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے" (آل عمران: ۱۰۴) کے بموجب اور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ اور منہاجِ اقدس کے مطابق دعوت و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کے نظریات و خیالات کو دین کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ بنانے، اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعے ان کے اخلاق و اعمال کو دین کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی و جہد کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ الحاد و زندقہ، فواحش و منکرات، معاشرے کے کمزور طبقات یعنی خواتین اور بچوں پر ظلم و تشدد، اور ان پر مستزاد عمومی سیاسی جبر و استبداد، اور معاشی ظلم و استحصال کے خلاف باصطلاحِ حدیثِ نبویؐ زبان سے جہاد کا آغاز توفی الفور کر دے گا، اور کوشش کرے گا کہ اتنی معتدبہ قوت فراہم ہو جائے کہ ہاتھ یعنی طاقت کے ساتھ بھی جہاد کیا جا سکے ـــــ تا آنکہ سلطنت خداداد پاکستان میں دینِ حق کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے، یا اللہ ہمیں اسی راہ میں شہادت کی موت عطا فرما دے!

اس سلسلے میں جن بنیادی امور پر ہمارے مابین اتفاق رائے ہو گیا ہے وہ ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں:

(۱) اس محاذ میں سیکولر نظریات یا مزاج کی حامل کوئی سیاسی جماعت شامل نہیں ہو سکے گی۔
(۲) خالص دینی و مذہبی جماعتیں خواہ کسی بھی مسلک کی حامل ہوں، اس میں شامل ہو سکیں گی۔
(۳) محاذ اصلاً جماعتوں پر مشتمل ہو گا۔ البتہ اہم افراد معاونین کی حیثیت سے شامل ہو سکیں گے، جو مشورے تو دے سکیں گے لیکن فیصلوں میں شریک نہیں ہو نگے۔
(۴) اس میں صرف وہ دینی جماعتیں شامل ہو سکیں گی، جن کی تنظیم پورے ملک میں معروف ہو۔
(۵) محاذ میں کسی نئی جماعت کی شمولیت پہلے سے شامل جماعتوں کے اتفاقِ رائے سے ہو گی۔
(۶) جماعتوں کو مجلس شوریٰ میں مساوی نمائندگی دی جائے گی اور اس کے فیصلے صرف اتفاقِ رائے سے ہوں گے۔
(۷) معمول کے اخراجات کے لئے ہر جماعت دو ہزار روپے ماہانہ زرِ تعاون پیش کرے گی، جس کا اکاؤنٹ صدر، ناظم بیت المال اور معتمد کی مشترکہ تحویل میں ہو گا۔ ان میں سے کسی دو حضرات کے دستخطوں سے رقوم نکالی جا سکیں گی۔
(۸) محاذ میں شامل کوئی تنظیم کسی دوسری رکن تنظیم پر تنقید کے لئے ذرائع ابلاغ یا پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ نہیں بنائے گی۔
(۹) محاذ کی تنظیمیں اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے اپنے طریق کار کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوں گی۔ البتہ کوشش کی جائے گی کہ مختلف دعوتی اور تربیتی پروگراموں میں بھی اشتراکِ عمل ہو تاکہ کارکنوں کے مزاجوں میں زیادہ سے زیادہ قرب اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے، لیکن محاذ کے طے شدہ امور میں بھرپور اشتراکِ عمل ہو گا، جس کا طریق کار خود محاذ طے کرے گا۔
(۱۰) محاذ کے کسی فیصلے سے پہلے کوئی شریک تنظیم محاذ کے حوالے سے کوئی بیان نہیں دے گی۔
(۱۱) محاذ کی مقرر کردہ کمیٹی محاذ کا تحریری دستور اور منصوبہ بنائے گی، جس کی منظوری مجلس شوریٰ دے گی اور جس کے مطابق محاذ کے نام سے مشترک کوششیں کی جائیں گی۔
(۱۲) ہر اہم موقع پر کوئی بھی شریک تنظیم محاذ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانے کی فرمائش کر سکے گی، جس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے اندر مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانا محاذ کے معتمد کی ذمہ داری ہو گی۔
(۱۳) محاذ کے ذمہ داران کا انتخاب سالانہ ہو گا۔ مگر عہدیداران کی غیر اطمینان بخش کارکردگی کی صورت میں مجلس شوریٰ کی دو تہائی اکثریت کی رائے کی بنا پر دورانِ سال بھی کیا جا سکے گا۔
(۱۴) یہ کوشش مسلسل کی جائے گی کہ محاذ کی کارکردگی فکری ہم آہنگی کی آئینہ دار ہو اور وہ ہر طرح کی اندرونی کشمکش سے محفوظ رہے۔

محاذ کی مندرجہ بالا قرار داد تاسیس اور اس کے تنظیمی ڈھانچے کے یہ بنیادی خدوخال اس لئے شائع کئے جا رہے ہیں کہ دوسری دینی و مذہبی جماعتیں بھی ان امور پر غور کریں اور جنہیں بھی اللہ تعالیٰ انشراحِ صدر عطا فرمادے وہ ۳۱/ مئی ۹۹ء تک ڈاکٹر عبدالخالق، کنوینر رابطہ کمیٹی متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کو ۶۷۔ علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو، لاہور کے پتے پر یا فون نمبر 6316638 یا 6366638 پر مطلع کر دیں ـــــ تاکہ اتوار/۶/ جون کو جملہ شریک جماعتوں کے تین تین نمائندوں پر مشتمل مجلس شوریٰ کا اجتماع منعقد ہو جائے۔ جس میں محاذ کا دستور بھی منظور کر لیا جائے اور عہدیداروں کا انتخاب بھی عمل میں لے آیا جائے ـــــ تاکہ محاذ جلد از جلد اپنا اجتماعی پروگرام شروع کر سکے۔

ہم ہیں، رحمت و نصرتِ خداوندی کے امیدوار:

(۱) (مولانا) محمد اکرم اعوان، امیر تنظیم الاخوان
(۲) (مولانا) محمد مختار گل، امیر تحریک اسلامی پاکستان
(۳) (ڈاکٹر) اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی
(۴) (مولانا) معین الدین لکھوی سرپرست مرکزی جمعیت اہل حدیث